ڈاکٹر اختر النساء

شارحینِ کلامِ اقبال: ایک جائزہ

کلام اقبال کے باقاعدہ شارحین کی فہرست میں متعدد نام آتے ہیں۔ ان میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی، مولانا غلام رسول مہر، ڈاکٹر عارف بٹالوی، نشتر جالندھری، آقاے رازی، ڈاکٹر محمد باقر، پروفیسر عبدالرشید فاضل، ڈاکٹر شفیق احمد، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اسرار زیدی، ڈاکٹر الف دنسیم، فیض محمد فیض لودھیانوی، غلام احمد پرویز، اصغر علی شاہ جعفری، آقا بے دار بخت، الٰہی بخش اعوان اور شیریں تاج شامل ہیں۔ یہ سب شارحین کرام اپنی اپنی جگہ قابل قدر ہیں۔ ان کی شرحوں اور طریق شرح نویسی کا اپنا اپنا منفرد انداز ہے، ذیل میں ان شارحین کا ایک مختصر جائزہ لیتے ہوئے شرح نگاری میں ان کا مقام متعین کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی (۱۸۹۵ء۔۱۹۸۴ء) کا شمار معروف اقبالی مصنّفین میں ہوتا ہے۔ ان کی سب سے نمایاں حیثیت ایک شرح نویس کی ہے۔ انہوں نے غالب و اقبال کی شرح نویسی کے ذریعے، اردو کے دو بڑے شاعروں کے فکر و فلسفے کی تفہیم میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہزاروں طلبا اور شائقین ادب، چشتی کی شرح نویسی سے مستفید ہو رہے ہیں۔ استفادے کا یہ سلسلہ تقریباً نصف صدی سے جاری ہے۔

چشتی کو علامہ اقبال کی شخصیت سے دلی وابستگی تھی۔ انہیں چودہ سال (۱۹۲۴ء۔۱۹۳۸ء) علامہ کی صحبت سے مستفید ہونے اور مختلف موضوعات پر ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا تھا۔(۱) ان کا مطالعہ اقبال بہت وسیع تھا۔ کلام اقبال کی باریکیوں کو سمجھتے تھے اور ان کے کلام کو آسان مطالب کے ساتھ نوجوان نسل کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے۔ وہ خود کو اقبال کا وکیل اور

شارح سمجھتے تھے۔(۲) چنانچہ انہوں نے کلام اقبال کی شرحیں اتنی شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہیں کہ پڑھنے والے کو مطالب سمجھنے میں دقت محسوس نہیں ہوتی۔

چشتی نے کلام اقبال کی شرح نویسی کا بیڑا کیوں اٹھایا؟ اس سلسلے میں کہتے ہیں:

> ''علامہ کی جہاد سے محبت اور انگریز سے نفرت، انہی دو باتوں کو مدِنظر رکھ کر میں نے کلامِ اقبال کی شرح کا بیڑا اٹھایا ہے۔''(۳)

اسی سلسلے میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

> ''چونکہ علامہ کے کلام سے بڑھ کر مسلمانوں کو قرآن مجید کی طرف دعوت دینے والا اور کوئی موثر ذریعہ مجھے معلوم نہیں اس لیے ان کے کلام کی نشر و اشاعت کو میں نے اپنی زندگی کا مقصد قرار دے لیا ہے۔''(۴)

مزید برآں ان کی شرح نویسی کا ایک مقصد طلبا کی ضروریات کو پورا کرنا بھی تھا۔ لکھتے ہیں:

> ''جو کچھ میں نے لکھا ہے طلبا کی ضروریات کو پورا کرنے اور اقبال کی شاعری کو سمجھنے کے لیے کافی ہے۔''(۵)
>
> ''کسی علمی کتاب سے شیفتگی موقوف ہے اس بات پر کہ انسان کو اس کے مطالب عالیہ سے آگاہی حاصل ہو، اس لیے میں نے یہ مناسب سمجھا کہ طلباء کے لیے عام فہم شرح لکھ دوں تا کہ اقبال فہمی میں کچھ سہولت پیدا ہو سکے۔''(۶)

کلام اقبال کی شرح نویسی کا یہ سلسلہ چشتی صاحب نے ۱۹۳۹ء میں شروع کیا جب انہوں نے علامہ کے ایک فارسی شعری مجموعے اسرار خودی کی شرح لکھی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> ''یوسف سلیم چشتی ہی واحد شخص ہیں جنہوں نے اقبال کی تمام فارسی اور اردو شعری تصانیف کی شرحیں لکھی ہیں۔''(۷)

چشتی اقبال کے اولین اور واحد شارح ہیں، جنہوں نے کلام اقبال کے تمام شعری مجموعوں

کی شرحیں تحریر کی ہیں۔ شرح نویسی میں ان کا طریق کار روایتی ہے۔ اگرچہ انہوں نے حسب ضرورت اشعار کی شرح مفصل یا مجمل کی ہے لیکن طلباء کی ضروریات کے پیش نظر چشتی کی شرحوں کا غالب رجحان تفصیل اور پھیلاؤ کی طرف ہے۔ چنانچہ مشکل الفاظ و تراکیب کے معانی ومفہوم کی وضاحت اور شرح اشعار نہایت صراحت سے کرتے ہیں۔ موقع ومحل کے مطابق فنی محاسن کی جانب توجہ دلاتے ہیں۔ ان کی شرحوں میں مطالب کی صحت دیگر شارحین کی نسبت زیادہ ہے۔

تاہم اشعار کی شرح میں اعتدال اور توازن کا فقدان ہے۔ کہیں غیر ضروری باتوں کا طومار ہے اور وضاحت وصراحت میں بہت پھیلاؤ ہے اور کہیں اتنا اختصار کہ مفہوم سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ بعض اوقات ایک ایک شعر کی شرح کئی کئی صفحات میں پھیل جاتی ہے مگر جہاں سمٹنے پر آتے ہیں، وہاں پوری پوری نظمیں گول کر جاتے ہیں۔ (۸)

چشتی کے مزاج میں مذہب، فلسفے اور تصوف کو خاص دخل ہے۔ شرح نگاری میں بھی اسی رجحان کی طرف جھکاؤ ہے۔ چنانچہ اشعار کی متصوفانہ تاویلات پیش کرتے ہیں اور فلسفیانہ اور مذہبی مباحث چھیڑ دیتے ہیں۔ اکثر ویدانت، اشراق، بدھ مت، ہندو دھرم اور جین دھرم پر طویل مباحث شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر ان کا قلم بے قابو ہو جاتا ہے اور اپنی علمیت جتانے کے چکر میں یہ بھول جاتے ہیں کہ اس انداز شرح میں افادیت کے ساتھ قاری کے لیے کوفت کا ایک پہلو بھی ہوتا ہے۔ اس طرح کے مباحث ممکن ہے قاری کی مذہب یا فلسفے کی تفہیم میں مدد کریں لیکن کلام اقبال کی حقیقی تفہیم میں ایسے مباحث زائد معلوم ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے بہ قول:

''چشتی شرح لکھتے لکھتے اکثر بہک جاتے ہیں، فلسفے اور تصوف پر طویل بحثیں چھیڑ دیتے ہیں۔ جو اکثر جگہ فالتو معلوم ہوتی ہیں۔''(۹)

چشتی وحدت الوجود کے قائل ہیں اس لیے بیشتر اشعار کی تشریح وحدت الوجود کے حوالے سے کرتے ہیں۔ کلام اقبال میں جہاں ان کو معمولی سا اشارہ بھی مل جائے شرح کو بھول کر

اس کی وضاحت شروع کر دیتے ہیں اور تفصیلات میں چلے جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت شرح اسرار خودی کا مقدمہ ہے جہاں جگہ جگہ تصوف اور وحدت الوجود کے حوالے موجود ہیں۔ بعض اشعار کی شرح بیان کرتے ہوئے اقبال کے ان اشعار کو بھی وحدت الوجود کا حامل ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ (۱۰) یہ انداز نگاہ اگر ایک حد کے اندر رہے تو کوئی معیوب بات نہیں لیکن وہ طویل مباحث میں الجھ جاتے ہیں۔ ان کے اس رویے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ اس پس منظر میں اپنے خیالات کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔

بعض مواقع پر وہ شارح کی بجائے واعظ کا روپ دھار لیتے ہیں اور شرح اشعار کو چھوڑ کر طویل وعظ اور غیر ضروری تبصرے شروع کر دیتے ہیں جن کا شعر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ شارح کا مقصد تو طلبا کے لیے کلام اقبال کی تفہیم کو آسان بنانا ہے۔ لیکن وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں اور خیالات کی رو میں بہ کر کہیں کے کہیں جا نکلتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر ان کا لہجہ تلخ اور طنزیہ ہو جاتا ہے۔ یہ انداز شرح ان کی شرحوں کی قدر و قیمت کو کم کرتا اور شرحوں کو مبہم اور مشکل بنا دیتا ہے۔ ایسا شاید اس لیے ہے کہ ان کے سامنے شرحوں کا کوئی نمونہ نہ تھا۔

چشتی کے انداز شرح میں دل کشی نہیں۔ شارح کا کمال تو یہ ہے کہ اشعار کے فنی حسن اور اثر آفرینی پر گفتگو کرتے ہوئے وضاحت کو مؤثر بنائے لیکن چشتی اس چیز سے محروم ہیں۔ سپاٹ لہجے اور دور از کار باتوں کی وجہ سے ان کی تشریحات بے جان اور غیر مؤثر ہو جاتی ہیں۔ غالباً اسی لیے ان کی شرحوں کو بہت زیادہ قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

چشتی کی شرح نگاری کی یہ خامیاں اپنی جگہ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ چشتی کی شرحیں باقی شرحوں کی محرک ہیں۔ اگرچہ بعد میں لکھی جانے والی شرحوں میں سے بعض تدریسی ضروریات کے تحت لکھی گئیں لیکن ان کی علمی و ادبی سطح بلند نہیں۔ شارحین نے روایتی انداز اپنایا ہے۔ ان شرحوں کی زیادہ ضرورت اس لیے محسوس نہیں ہوتی کہ انہوں نے مفاہیم کی وضاحت میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ اکثر شارحین کے ہاں چشتی کے اثرات نظر آتے ہیں اور بیشتر مقامات پر مطالب کے بیان میں چشتی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

چشتی کی شرحوں نے اقبالیاتی شرح نویسی کی روایت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی شرحیں اپنی اہمیت و افادیت کے لحاظ سے ایک خاص مرتبے کی حامل ہیں اور بعض خصوصیات کی بنا پر انہیں شارحینِ اقبال میں امتیاز بخشتی ہیں۔ کلام اقبال کی مکمل شرح لکھ کر انہوں نے اقبالیاتی ادب میں اہم مقام حاصل کر لیا ہے، بلاشبہ:

''ان کی شرحوں سے اقبال فہمی کا ایک شعور پیدا ہوا۔ فروغ اقبالیات کی گزشتہ نصف صدی کی تاریخ لکھی جائے گی تو اس میں چشتی صاحب کا نام بہت نمایاں ہوگا۔''(۱۱)

شارحینِ اقبال میں دوسرا اہم نام مولانا غلام رسول مہر (۱۸۹۴ء۔۱۹۷۱ء)(۱۲) کا ہے۔ وہ علامہ کے دیرینہ رفیق اور مخلص ہم نشین تھے۔(۱۳) اقبال سے ارادت مندی اور کلام اقبال سے دلی وابستگی رکھتے تھے اور علامہ سے ان کے گہرے ذاتی روابط استوار تھے۔ فرماتے ہیں:

''اگرچہ خون اور نسب کا کوئی رشتہ نہ تھا لیکن ذاتی تعلقات خویشوں سے بڑھ کر تھے۔''(۱۴)

زندگی کے سولہ سال تک علامہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔(۱۵) ۱۹۲۲ء تا ۱۹۳۲ء قریباً روزانہ ہی خدمت اقبال میں حاضر ہو کر ان کے خیالات و افکار سے مستفید ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ انہیں بیرون ملک سفر میں علامہ کی ہم رکابی کا شرف حاصل رہا (۱۶)۔ دوران ملاقات، مختلف موضوعات پر طویل گفتگو ہوتی۔ بہ قول ڈاکٹر شفیق احمد:

''مولانا مہر علامہ اقبال کی جلوتوں ہی نہیں بلکہ ایک نیاز مند کی حیثیت سے خلوتوں کے بھی ساتھی رہے تھے۔''(۱۷)

مولانا کو کلام اقبال سے خاص شغف تھا۔ انہیں اقبال کا بیشتر کلام زبانی یاد تھا۔ وہ رسمی اقبال شناس نہیں بلکہ مآخذ اقبال کی حیثیت رکھتے ہیں۔(۱۸) انہوں نے بیسیوں مضامین (۱۹) لکھے اور علامہ کے متروک کلام کو تلاش و جستجو کے بعد جمع کر کے سرود رفتہ (۲۰) کے نام سے شائع کیا۔ علاوہ ازیں بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم اور اسرار و رموز کی شرحیں لکھیں۔ ان کی

مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اب تک مطالب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور شائقین و قارئین اقبال کے ذوق و شوق کی تسکین کا سامان فراہم کر چکے ہیں۔

مولانا کے سامنے طلبا اور عوام کی ضرورت تھی جو کلامِ اقبال کو آسان زبان اور مختصر وقت میں سمجھنا چاہتے تھے(۲۱) اس لیے مولانا نے جچا تلا، محتاط اور جامع انداز اپنایا ہے۔ انہوں نے مطالب کو نہ تو طول کلامی سے پیچیدہ بنایا ہے نہ اس قدر اختصار سے کام لیا ہے کہ مفہوم ہی واضح نہ ہو۔ شرح نویسی میں اختصار ہی مولانا کی انفرادیت ہے اور ان کی شارحانہ صلاحیتوں کا کمال بھی۔ ڈاکٹر شفیق احمد کہتے ہیں:

''اس کا ایک فائدہ بھی ہوا اور وہ یہ کہ ان مباحث و موضوعات کے متعلق مناسب رہنمائی مل جاتی ہے جن کا شعر سے تعلق ہو۔''(۲۲)

مہر صاحب نے مطالب کو معلومات افزا بنانے کے لیے غیر معمولی تحقیق اور تلاش و جستجو سے کام لیا ہے۔ اس کی ایک اہم خصوصیت کسی اہم نظم یا غزل کی تشریح کے آغاز میں ان کے تمہیدی نوٹ ہیں۔ مطالب بانگ درا میں اس کا خصوصیت سے اہتمام کیا گیا ہے، تمہیدی نوٹ میں وہ نظم یا غزل کا تعارف بیان کرتے وقت یہ بتاتے ہیں کہ یہ نظم کب کہاں اور کس جریدے میں شائع ہوئی۔ نظم یا غزل کا سنہ تحریر اور اشعار کی تعداد بھی درج کر دیتے ہیں۔ اگر کسی نظم کا عنوان علامہ نے بدل دیا، کسی نظم کے بارے میں خود کوئی نوٹ یا عبارت تحریر کی ہے یا اشعار حذف کر دیے تو قارئین کی سہولت اور معلومات کی خاطر ان تصریحات کو درج کر کے گویا ایک طرح سے ان نظموں کا تاریخی پس منظر فراہم کر دیا ہے۔ مولانا کا یہ محققانہ انداز دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ مولانا نے مطالب کو ہر پہلو سے جامع بنانے کے لیے بنیادی مآخذ پر بھروسا کیا ہے اور بکھرے ہوئے مآخذ کو یکجا کرنے میں بھرپور کاوش کی ہے۔ دیگر شارحینِ اقبال کے ہاں یہ تفصیل اور پس منظر نہیں ملتا، یہ مہر کی انفرادیت ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر، اپنی وسعت نظر سے کام لیتے ہوئے مولانا مہر نے کلام اقبال کی شرح لکھنے اور اقبالیاتی دشواریوں کو حل کرنے کا بیڑا اٹھایا تا کہ پڑھنے والوں کے لیے کلام کا سمجھنا اور اس سے استفادہ کرنا ایک حد تک آسان

ہو جائے۔(۲۳)

مولانا ایک وسیع المطالعہ شخصیت تھے اور ساتھ ہی محققانہ ذہن رکھتے تھے۔ چنانچہ افادۂ قارئین کی خاطر اشعار سے متعلق زیادہ سے زیادہ ممکنہ معلومات فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ، علامہ کی اپنی تشریحات، اقبال اور دیگر شعرا کے اشعار سے مدد لیتے ہیں۔ مولانا کا یہ اندازِ تحقیق و تقابل ان کے ہمہ گیر شعری ذوق اور وسیع مطالعے کا پتا دیتا ہے۔

مہر نے مطالب میں محتاط اندازِ شرح اختیار کیا ہے اور بعض دیگر شارحین کی طرح ایسی باتیں لکھنے سے گریز کیا ہے جن کا تعلق نفسِ مضمون سے نہیں تھا۔ مولانا نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ علامہ کے اشعار کو اپنے معتقدات و نظریات کی روشنی میں بیان کرنے کی بجائے علامہ کے مقصد و مدعا کو واضح کیا جائے۔ اس لیے انہوں نے یہ سعی کی کہ ان کے مطالب واضح اور عام فہم ہوں تاکہ خاص و عام ان سے استفادہ کریں۔ ڈاکٹر شفیق احمد کے بقول:

''دیگر شرحوں کی کیفیت تو یہ ہے کہ ان میں تفصیل و اطناب کے پیشِ نظر اکثر غیر متعلق اور لایعنی مباحث شامل کر دیے گئے ہیں اور شارحین کھینچ تان کر اپنے نظریات و معتقدات کو اشعار کی تشریح کے پردے میں ظاہر کرتے ہیں، جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ قاری الجھ کر رہ جاتا ہے اور اکثر اوقات شعر کے حقیقی معنوں تک اس کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ مولانا مہر کی شرحیں اس نقص سے پاک ہیں۔''(۲۴)

مہر ان شارحین میں سے نہیں ہیں، جن کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر نے لکھا ہے کہ غالب اور اقبال کی تفہیم میں اکثر غلط فہمیاں ان شارحین نے پھیلائی ہیں۔''(۲۵)

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے مہر کے مطالب کے بارے میں صحیح رائے قائم کی کہ:

''مولانا مہر مقابلتاً متوازن شرحیں لکھتے ہیں، وہ طوالت کے عیب سے مبرا ہیں۔ نظموں کے بارے میں اختصار سے بعض تحقیقی باتیں بھی تحریر کر دیتے

ہیں جو بے حد مفید ہوتی ہیں..... کہیں فکرِ اقبال کو ترک کر کے اپنی بحث نہیں چھیڑتے۔ یہ ساری باتیں ان کی شرحوں کو دوسرے شارحین پر فوقیت عطا کرتی ہیں۔ مہر کو موجودہ شارحینِ اقبال کے مقابلے میں بہترین شارح قرار دیا جا سکتا ہے۔''(۲۶)

تاہم مولانا مہر بھی معائب سے اپنا دامن نہیں بچا سکے۔ مطالب کا اختصار قابلِ توجہ ہے اور ایک عام قاری کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ ایک ایسی خامی ہے جس سے مطالب کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ اقبال جو اپنی مشکل پسندی کے باعث تشریح کا محتاج ہے اور جس کے کلام کی شرحیں اسی لیے لکھی گئیں کہ وہ واضح اور قابلِ فہم بن سکے اور جب کہ خود مہر کا مقصد بھی یہی ہے۔ چنانچہ مطالب سے بعض مقامات پر مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ بقول ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا:

''بعض جگہ تشریح میں اس قدر اختصار سے کام لیتے ہیں کہ زبردست تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔''(۲۷)

اس ضمن میں مولانا فرماتے ہیں:

''کلامِ اقبال کی تشریح..... میں زیادہ بسط و تفصیل سے کام لیا جاتا اور ایک ایک مسئلے کو کھول کھول کر بیان کیا جاتا تو شرحیں بہت ضخیم ہو جاتیں اور عام شائقین ان سے استفادہ نہ کر سکتے۔''(۲۸)

ڈاکٹر شفیق احمد کی رائے میں صرف عام قاری اور فاضل نقاد ہی نہیں بلکہ پبلشرز بھی اختصار اور تشنگی کے شاکی ہیں۔(۲۹)

مولانا کے سامنے اقبالیاتی مآخذ تھے اور اقبال سے ربط و تعلق کی بنا پر خصوصی صحبتیں میسر تھیں پھر قدرت نے انہیں محققانہ دماغ عطا کیا تھا، اس لحاظ سے ان کے قلم سے زیادہ بہتر اور موزوں شرح کی توقع تھی جس پر وہ پورے نہیں اتر سکے۔(۳۰) کلامِ اقبال کے مطالب کی تمام و کمال وضاحت سے قاصر رہے ہیں اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ کلامِ اقبال کے لیے معاون تیار کر رہے تھے اور پھر یہ پبلشر کے اصرار پر لکھی گئی ہیں۔(۳۱) ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے خیال میں:

> ''مولانا مہر میں یقیناً بہتر شارح اقبال بننے کی صلاحیتیں موجود تھیں مگر افسوس ہے کہ ان کی توجہ مختلف منصوبوں میں بٹی ہوئی تھی اس لیے نتیجہ حسب دل خواہ نہ نکل سکا۔''(۳۲)

تاہم ان چند باتوں سے مطالب کی اہمیت کم نہیں ہوتی اور نہ مولانا مہر کی شرح کی عظمت واہمیت میں کمی آتی ہے۔ان کے مطالب مختصر، منظم، جامع اور واضح ہیں۔وہ عہد حاضر کے اہم شارحِ اقبال ہیں جن کے مطالب سے اقبال کی اردو شاعری کی تفہیم میں آسانی پیدا ہوگئی ہے۔

رازی روایتی شرح نگار ہیں، جن کی شرح میں درست اور غلط دونوں مطالب موجود ہیں۔ شرح میں کہیں اختصار ہے، کہیں پھیلاؤ۔شارح نے پیشتر شرحوں سے کئی مقامات پر استفادہ کیا ہے مگر حوالہ نہیں دیا۔تاہم ان کی شرح سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی رائے میں ''ان کی شرح تدریسی ضروریات کے لیے مناسب ہے لیکن اس میں نہ کوئی انفرادیت ہے نہ ندرت اور کوئی گہرائی بھی نہیں ملتی۔''(۳۳)

خواجہ صاحب کی بات درست ہے انہوں نے پرانے ڈگر پر چلنے کے سوا، جدت سے کام نہیں لیا۔

ڈاکٹر محمد باقر کا انداز شرح سیدھا سادہ، آسان اور روایتی ہے۔شرح میں وضاحت کی کمی اور اختصار واجمال حد سے زیادہ ہے۔ جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر شارح کا رجحان کسی مختصر [ا]یس کا ہے جس کی وجہ سے مفہوم نامکمل رہتا ہے۔پھر قوسین اور اشعار کے نمبروں سے عبارت کو الجھا دیا گیا ہے۔اغلاط کی کثرت ہے جس کی وجہ سے وہ اسے اپنے نام سے چھپی ہوئی جعلی کتاب قرار دیتے ہیں۔(۳۴)

عارف بٹالوی کا انداز شرح روایتی ہے۔اشعار کی شرح میں اختصار کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اکثر اوقات شعر کا ترجمہ یا اس کی نثر لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔شرح میں املا اور مطالب کی اغلاط کی بہتات ہے۔انہوں نے پیشرو شرحوں کو کاروباری قرار دیا ہے تاہم ان کی اپنی شرحوں کی حیثیت بالکل وہی ہے۔ان کی شرحیں کلام اقبال کی شرحوں میں ظاہری اضافے کی حیثیت تو رکھتی ہیں

لیکن انہیں کوئی امتیازی اور منفرد مقام نہیں دیا جا سکتا۔ بٹالوی شارحینِ اقبال میں تو شامل ہو گئے مگر کلامِ اقبال کے ساتھ انصاف نہ کر سکے۔

نشتر جالندھری کے تصنیفی سرمائے میں شرحوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان کا انداز شرح متوازن سلیس اور سادہ ہے۔ نہ بے جا طوالت ہے نہ اختصار۔بعض اشعار کو سلجھانے کی بہت اچھی کوشش کی ہے۔ (۳۵) تاہم اختصار کے باعث اقبال کے کلام کی تمام پہلو واضح نہیں کر سکے۔ ان کی شرح میں کلامِ اقبال پر جا بجا اعتراضات ملتے ہیں۔شرح کی اس خامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

> ''ان کی شرح کی ایک بات بے حد ناگوار گزرتی ہے وہ ہے کلامِ اقبال پر جا بجا اعتراضات پرانے قواعد دانوں نے شعرا پر جو شدید پابندیاں عائد کی ہیں انہیں نشتر آخر حد تک لے گئے ہیں۔''(۳۶)

محمد عبدالرشید فاضل کا اندازِ شرح سادہ، عام فہم اور متوازن ہے۔شارح نے فکرِ اقبال کے حوالے سے اشعار کی شرح کی ہے اور کوشش کی ہے کہ ذاتی طرزِ فکر تشریح پر اثر انداز نہ ہو۔ شرح کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے کلام اقبال کو بہتر انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ تاہم شرح کرتے وقت بعض جگہ پیشرو شارحین میں سے چشتی و مہر کے پیرے کے پیرے نقل کر دیے ہیں (۳۷) اور حوالہ بھی نہیں دیا۔

ڈاکٹر شفیق احمد اور خواجہ محمد زکریا نے باہم اشتراک سے شرحِ بانگِ درا تحریر کی ہے۔ شارحین کا اندازِ شرح روایتی اور سادہ ہے۔ اشعار کی تشریح ترتیب وار شعر بہ شعر کی ہے۔ مجموعی رجحان اختصار کی طرح ہے تاہم بعض اشعار کی نہایت عمدگی سے وضاحت کی ہے۔شارح نے شرح کے لیے متنوع مآخذ کو استعمال کیا ہے پیشرو شارحین میں سے چشتی و مہر کی شرحوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔بعض جگہ ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔

شفیق احمد ایسے شارح ہیں جن کی شرح میں مطالب کی کم سے کم اغلاط ہیں اور اندازِ شرح بھی تحقیقی وتوضیحی ہے۔اس کی وجہ غالباً پیشرو شرحوں سے استفادہ ہے۔ان کی شرح سے بانگِ درا

کے اشعار کو بہ خوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ شرح کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ شعر کی تفہیم کے عمل کو آسان و سہل بنایا جائے، اس حوالے سے یہ ایک کامیاب شرح ہے۔ قارئین اور طلبا اس سے بہ خوبی استفادہ کر سکتے ہیں۔

فیض لودھیانوی کا انداز شرح نگاری غیر محققانہ اور سہل پسندانہ ہے۔ انھوں نے شرح میں وضاحت اور تحقیق سے ہر جگہ پہلو بچایا ہے اور محض اشعار کی نثر بنانے پر اکتفا کیا ہے۔ شرح کرتے ہوئے بھی اختصار کو مدنظر رکھا ہے۔ یوں مطالب کی وضاحت میں تشنگی اور ادھورے پن کا احساس ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر اس شرح سے مطالب میں اضافہ نہیں ہوا۔ یہ شرح پیشرو شرحوں سے کمتر درجے کی محسوس ہوتی ہے۔

اسرار زیدی کا اندازِ شرح روایتی اور غیر تحقیقی ہے۔ زبان و اسلوب سادہ ہے۔ اشعار کی شرح میں اختصار کی طرف مائل ہیں۔ دیگر شرحوں کے مقابلے میں زیدی کی شرح کی اہمیت بس اتنی ہے کہ یہ اقبال کے اشعار کے مطالب کو اجاگر کرتی ہے لیکن مطالب کے ضمن میں شرح میں کوئی اضافہ نظر نہیں آتا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ شارح نے اقبال کے اشعار کی تفہیم کا کوئی نیا در وا نہیں کیا۔

ڈاکٹر الف د نسیم نے دو اردو مجموعوں (ضرب کلیم، ارمغان حجاز) کی شرحیں تحریر کی ہے۔ اندازِ شرح روایتی اور پیشرو شارحین سے ملتا جلتا ہے۔ اسلوبِ شرح آسان، مختصر اور غیر محققانہ ہے۔

سید اصغر علی شاہ جعفری نے روایتی اور سادہ اندازِ شرح اختیار کیا ہے۔ وضاحت، اشعار میں پیش رو شارحین سے بھر پور استفادہ کیا ہے۔ متعدد اشعار کی وضاحت میں متقدمین کے مطالب کو نقل کیا ہے اور جو تشریح فرمائی ہے وہ بیشتر چشتی و مہر کی تشریحات کی وضاحت ہے۔ اس انداز شرح سے ان کی شرح کے متعلق کوئی اچھا تاثر نہیں ہوتا۔

غلام احمد پرویز کا اسلوب و انداز مشکل اور غیر محققانہ ہے۔ اشعار کی شرح میں اختصار کی طرف مائل ہیں۔ بلکہ زیادہ تر ان کا انداز ترجمے سے زیادہ نہیں۔

الٰہی بخش اعوان نے لفظی اور سادہ ترجمہ کیا ہے۔ شرح میں غیر ضروری تفصیل اور اضافی مباحث سے گریز کیا ہے۔ انداز شرح غیر تحقیقی ہے۔

یوں متعدد شارحین نے کلام اقبال کی جو شرحیں لکھی ہیں اور وہ سب اپنی اپنی جگہ قابلِ قدر ہیں۔ تاہم بعض شرحیں اپنے مواد و معیار کے اعتبار سے تفہیمِ اقبال میں زیادہ افادیت کی حامل ہیں لیکن بعض اپنے معیار کے اعتبار سے کچھ زیادہ مددگار ثابت نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ اقبال جیسے دانائے راز، مفکر اور عارف کے کلام کو سمجھنا اگر مشکل ہے تو سمجھانا اس سے زیادہ مشکل ہے اور کلامِ اقبال کو سمجھنے کے لیے ہمارا ذہنی افق ابھی محدود ہے اور اس کی تفہیم کے لیے جس فکری بصیرت کی ضرورت ہے اس سے اکثر شارحین بے بہرہ ہیں اور وہ ایسی محنت سے جی چراتے ہیں جو کلامِ اقبال کی تفہیم کے لیے درکار ہے۔ بیشتر شرحیں طلبا کی ضروریات کے پیش نظر لکھی گئیں لیکن زیادہ تر شارحین نے طلبا کی ضرورت کو مدِ نظر نہیں رکھا اور صرف اشعار کی آسان نثر لکھ دینے پر اکتفا کیا ہے۔ حالانکہ طلبا کی درسی ضروریات اس بات کی متقاضی ہیں کہ شرح اشعار کے ساتھ ایسی معلومات شامل ہوں جن سے طلبا میں کلامِ اقبال کو پڑھنے کا ذوق پیدا ہو اور اسے سمجھنے میں سہولت اور آسانی ہو اور شعری محاسن کو واضح کیا گیا ہو۔ بعض شرحوں میں اس طرح کی معلومات موجود ہیں لیکن وہ یا تو طوالت پر مبنی ہیں یا اتنی مختصر ہیں کہ ان سے طلبا کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی لکھتے ہیں:

> ''تصریح و توضیح کے خیال سے بعض حضرات نے اقبال کے کلام کی شرحیں لکھی ہیں جو زیادہ تر درسی اور عمومی قسم کی ہیں۔ اقبال کا مطالعہ ان کے خیالات اور افکار کے پس منظر اور اصول موضوعہ سے گہری واقفیت چاہتا ہے۔''(۳۸)

کلامِ اقبال کی مختلف جہتیں اور پہلو ہیں اور اس کے اندر ایک جہان معنی پوشیدہ ہے۔ جب کہ کلام اقبال کی تفہیم و تشریح میں بعض شارحین نے سہل پسندی سے کام لیا ہے اور مطالعۂ اقبال کے سلسلے میں غیر اطمینان بخش رویہ اپنایا ہے جس کی وجہ سے تشریحات میں کوتاہیاں

ہوئی ہیں۔ کہیں غیر ضروری باتوں کا طومار ہے، کہیں اپنی علمیت جتانے کا احساس بھی موجود ہے، کہیں ضمنی مباحث تفہیمِ اقبال کے سلسلے میں راستہ روک دیتے ہیں اور ایسی غیر ضروری تفصیل ہے کہ جس مقصد کے لیے شرحیں لکھی گئی ہیں وہ مقصد بھی پورا نہیں ہوتا۔ اکثر شارحین نے اختصار کا راستہ اختیار کیا اور اشعار کے ترجمے یا اشعار کی نثر بنانے پر اکتفا کیا۔ اس اختصار بے جا کی وجہ سے مطالب واضح نہ ہو سکے اور تشنگی کا احساس ہونے لگا۔ بہ قول ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا ''کہیں مفہوم واضح نہیں ہوسکا، کہیں تلمیحات کی توضیح درست نہیں، کہیں الفاظ کے سمجھنے میں تسامحات ہوئے ہیں، کہیں پس منظر واضح نہیں ہوسکا۔''[۳۹]

بعد میں آنے والے شارحین نے پیشرو شارحین کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی۔ یوں شرحوں میں تقلید اور نقل کے رجحانات در آئے۔ شارحین نے محنت اور تحقیق سے کام نہیں لیا اور پیشرو شارحین کی اغلاط اور مفہوم کو دہرایا، حالانکہ اقبال کو سمجھنے کے لیے خود ان کی تمام تحریروں کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

اقبال کی بیش تر طویل و مختصر نظموں کے عقب میں مختلف محرکات، تخلیق کا سبب بنتے ہیں۔ انہیں نظر انداز کر کے کلامِ اقبال کی وضاحت ممکن ہے نہ تفہیم۔ بعض شارحین نے ان عصری محرکات کی وضاحت میں غیر اطمینان بخش رویہ اپنایا ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال کی تشریح کے سلسلے میں اب تک جو کام ہوا ہے، وہ کچھ زیادہ اطمینان بخش نہیں ہے۔ کلامِ اقبال کا مطالعہ متقاضی ہے کہ شارحین ان کے عصری محرکات، اور سیاق و سباق سے آگاہ ہوں اس طرح ہی اقبال کی تفہیم کا ایک قابلِ قدر معیار قائم ہو سکے گا۔ خواجہ محمد زکریا نے سوال اٹھایا ہے کہ علامہ اقبال کی کتابوں پر جتنی شرحیں لکھی گئی ہیں ان کا مطالعہ خاصا حوصلہ شکن ہے چنانچہ ان شرحوں کی موجودگی میں کیا مزید شرحوں کی ضرورت ہے؟ ان کے خیال میں:

> ''کلامِ اقبال کی شرحیں تعداد کے اعتبار سے بھی زیادہ نہیں لیکن معیار کے لحاظ سے تو خاصی ناتسلی بخش ہیں۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اہلِ علم میں سے کچھ حضرات اس کام کو اپنے ذمے لیں، یہ بہت اہم کام ہے۔

> اگر یہ تسلی بخش طور پر انجام پا جائے تو آئندہ نسلوں تک کلامِ اقبال اور پیغامِ اقبال درست طریقے سے پہنچ سکے گا۔ عام قاری اس قابل نہیں ہے کہ مطالعہ اقبال کرتے ہوئے اس کے متعدد حقائق سے بخیر و خوبی گزر جائے...... میری شدید خواہش ہے کہ...... حکومت، اقبال اکیڈمی یا کوئی ادبی ادارہ کلامِ اقبال کی شرحیں لکھوانے کے لیے اہلِ علم حضرات کی خدمات حاصل کرے۔''[۴۰]

کلامِ اقبال کی افہام و تفہیم کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ موجودہ شرحوں کے باوجود مزید شرحیں بھی لکھی جائیں جن میں بہت سی باتوں کے علاوہ اقبال کے فن، ان کی صناعی اور شعری آہنگ کے ساتھ ان کی تخلیقات کے اسرار و رموز اور ان پہلوؤں کو دریافت کرنے کی سعی کی جائے جن سے اقبال کا کلام توانا اور آفاقی بنتا ہے۔ اقبال ایک پیامبر شاعر ہے جس کے فن کے جلو میں بنی نوع انسان کی تہذیب کے ہزاروں روپ اور ان کے امکانات پوشیدہ ہیں۔ یہ شارحینِ اقبال کی ذمے داری ہے کہ وہ ان کے امکانات کو بے حجاب کریں اور بروئے کار لائیں تا کہ اقبال کی نئی تفہیم اور اس کی معنویت کا جواز پیدا ہو سکے۔[۴۱]

اس مجموعی جائزے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقبال جیسے نابغۂ روزگار شاعر کے کلام کی ایسی شرحیں لکھنے کی ضرورت ہے جو نہ صرف ان عیوب سے مبرا ہوں جو پیش رو شرحوں میں ملتے ہیں، بلکہ علمی، تحقیقی اور تنقیدی اعتبار سے بھی، وہ علامہ اقبال کے کلام کے شایانِ شان ہوں...... اس کام کو اقبالیاتی اداروں کے تحت باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت انجام دینے کی ضرورت ہے۔

حوالے:

۱۔ یوسف سلیم چشتی ''ملفوظاتِ اقبال''، مشمولہ: اقبال، جولائی ۱۹۶۴ء ص ۳۱۔۵۸
۲۔ ایضاً، شرح ضرب کلیم، ص ۱۴۱
۳۔ ایضاً، شرح ضرب کلیم، ص ۴۴۰
۴۔ ایضاً، تعلیمات اقبال، ص ۱۹

۵۔ ایضاً، شرح بانگ درا، ص ۳۹
۶۔ ایضاً، شرح ضرب کلیم، ص ۴
۷۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اقبال کا ادبی مقام، ص ۱۲۴
۸۔ ایضاً، ص ۱۲۸
۹۔ ایضاً، ص ۱۲۸
۱۰۔ ایضاً، ص ۱۲۸
۱۱۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ''۱۹۸۴ء کے اقبالیاتی ادب کا جائزہ، اقبال، جولائی ۱۹۸۵ء ص ۸۷
۱۲۔ ڈاکٹر سید بہادر خان پنی، افادات مہر، ص ۲۹
۱۳۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال (اردو)، اعتزار، ص ۹
۱۴۔ غلام رسول مہر، اقبالیات (مرتبہ: امجد سلیم علوی)، ص ۲۷
۱۵۔ ایضاً، ص ۲۷
۱۶۔ عبدالمجید سالک، ذکر یا اقبال، ص ۱۵۶
۱۷۔ ڈاکٹر شفیق احمد، غلام رسول مہر: حیات اور کارنامے، ص ۱۲۷، ۱۲۸
۱۸۔ انور سدید، اقبال، جنوری، اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۴۰، ۱۴۱
۱۹۔ بیشتر مضامین، اقبالیات (مرتبہ: امجد سلیم علوی، اشاعت اول)، ۱۹۸۸ء ص ۲۶۹، میں شامل ہیں۔
۲۰۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۵۹ء، ص ۲۵۹
۲۱۔ اختر راہی، ''مولانا غلام رسول مہر: ایک اقبال شناس''، ''المعارف''، لاہور فروری ۱۹۸۱ء، ص ۴۲
۲۲۔ ڈاکٹر شفیق احمد، غلام رسول مہر: حیات اور کارنامے، ص ۳۹۳
۲۳۔ مہر، مطالب بانگ درا، ص ۳۔۴
۲۴۔ ڈاکٹر شفیق احمد، غلام رسول مہر: حیات اور کارنامے، ص ۳۹۴
۲۵۔ ڈاکٹر سلیم اختر، مختصر ترین تاریخ ادب اردو، ص ۲۷۲
۲۶۔ ڈاکٹر شفیق احمد، غلام رسول مہر: حیات اور کارنامے، ص ۳۹۱
۲۷۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اقبال کا ادبی مقام، ص ۱۲۹
۲۸۔ مہر، مطالب بال جبریل، ص ۳
۲۹۔ ڈاکٹر شفیق احمد، مولانا غلام رسول مہر: حیات اور کارنامے، ص ۳۹۳
۳۰۔ ایضاً، ص ۳۹۴
۳۱۔ مہر، مطالب بانگ درا، ص ۳، ۴
۳۲۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اقبال کا ادبی مقام، ص ۱۲۹
۳۳۔ ایضاً، اقبال کا ادبی مقام، ص ۱۳۰

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۲۸
۳۵۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اقبال کا ادبی مقام، ص ۱۳۰
۳۶۔ ایضاً، ص ۱۳۰
۳۷۔ ایضاً، ص ۱۳۰
۳۸۔ قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی، اقبالیات کا تنقیدی مطالعہ، ص ۹۰
۳۹۔ محمد زکریا، اقبال کا ادبی مقام، ص ۱۳۶
۴۰۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اقبال کا ادبی مقام، ص ۱۳۰۔۱۳۱
۴۱۔ ڈاکٹر عبدالحق، فکر اقبال کی سرگزشت، ص ۹۵

☆☆☆